القرآن المجید

قرآن حکیم کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد ہر عقل سلیم کو یہ بات دل کی گہرائیوں سے ماننا پڑتی ہے کہ یہ کتاب خداوندی مکتوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ صحیفہ ہے اور وحی ربانی ہے۔ اس کتاب کو ایک مرتبہ تعمق اور غور سے مطالعہ کرنے کے بعد انسانی ذہن کو یقین آ جاتا ہے کہ یہ پیغام انسان کی ذہنی و دماغی کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہے۔ انسانی دماغ کی اختراع نہیں ہے اور نہ ہی کسی بشری عبارت آرائی کا نکتہ کمال ہے۔ قرآن حکیم کا جس زاویے سے بھی مطالعہ کیا جائے گا اور جس زاویے سے اس میں غور و فکر کرنے کی کوشش کی جائے گی، اتنی ہی انسانی ذہن کی نارسائی ظاہر ہوتی جائے گی۔

یہ کتاب اپنے پر شکوہ الفاظ سے، عبارت آرائی کے لحاظ سے، ضرب الامثال کے لحاظ سے، عالمگیر صداقتوں کی یکجائی سے، پیغام کی طاقت سے، دعوت غور و فکر سے اور اپنے زبان و بیان سے دعویٰ کرتی ہوئی نظر آتی ہے کہ یہ کتاب، کتاب خداوندی ہے اور رب کریم کی نازل کردہ آخری کتاب مقدس ہے۔ اس کتاب کا دعویٰ ہے کہ:

۱- یہ کتاب رب ذوالجلال کی نازل کردہ کتاب ہے۔
۲- انسانی عبارت آرائی، ذہنی کاوشیں اور بشری محنت ایسی کتاب وجود میں نہیں لا سکتی۔
۳- یہ کتاب لوح محفوظ سے زمین پر اتاری گئی ہے۔
۴- اس کتاب کو جبرئیل امین قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لے آئے ہیں۔
۵- کرہ ارض پر ایسی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔
۶- اس کتاب میں تبدیلی اور تحریف کی گنجائش نہیں ہے۔
۷- اس کتاب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ کتاب انسان کو سیدھی راہ پر لگاتی ہے اور اس کو گمراہ ہونے سے بچاتی ہے۔
۸- یہ کتاب شکوک و شبہات سے بالاتر ہے اور اس کا کوئی ایک بھی پیغام آج تک چیلنج نہیں کیا جا سکا ہے۔
۹- اور کلام الٰہی کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ دنیا کی واحد کتاب ہے کہ جو حکمت و دانش کا منبع ہے اور اس کے ہر ایک لفظ میں دنیا بھر کی اچھی باتیں اور حکمتیں شامل ہیں۔

آئیے! اب ذرا ہم کلام الٰہی کے مندرجہ بالا نو دعووں کے بارے میں تفصیلی طور پر بحث کرتے ہیں کہ کیا یہ دعوے محض دعوے ہیں یا تاریخی طور ثابت شدہ عالمگیر حقیقتیں ہیں کہ ان کے جھٹلانے کی آج تک کسی فرد بشر کو جرأت ہی نہیں ہوئی ہے۔

قرآن مجید کا سب سے پہلا دعویٰ یہ ہے کہ اس کتاب کے من جانب اللہ ہونے میں اور اس کے سچے ہونے میں کسی بھی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ
سورۃ البقرۃ ۲

اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی بھی شبہ نہیں ہے، اس میں جو پچھلی امتوں کے تاریخی واقعات بیان کئے گئے ہیں، ان کی صداقت میں جو احکام و مسائل بیان کئے گئے ہیں، اُس نے انسانیت کی فلاح و بہبود و نجات کے وابستہ ہونے میں اور جو عقائد توحید و رسالت ممات و معاد بیان کئے گئے ہیں، ان کے برحق ہونے میں کوئی بھی شک نہیں ہے۔ سورۃ البقرہ کے اس دعوے کو سورت فصلت یا سورۃ حم سجدہ میں ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے:

حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ سُوْرَۃُ فُصِّلَتْ

اتاری گئی ہے بڑے مہربان بہت رحم والے رب کی طرف سے۔ ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے۔ قرآن عربی زبان میں ہے اس قوم کیلئے جو جانتی ہے۔

کسی بھی انسانی دماغ میں اٹھنے والے خیالات یا کسی بھی چیز کے بارے میں انسانی سوچوں کی رفتار کی کیفیت کو چار مراحل میں تقسیم کیا جاتا ہے اور سوچوں کی یہ مرحلہ وار رفتار نیچے کی طرف سے اوپر بڑھتی چلی جاتی ہے اس کا پہلا مرحلہ وہم ہے، وہم کے جب دریچے کھلتے چلے جائیں اور انسانی سوچوں کی رفتار کی اڑان جب آگے بڑھتی جائے تو وہم ایک نیا روپ دھار لیتے ہیں اور کسی منزل پر آ کر وہم شکوک میں تبدیل ہوجاتے ہیں، شک یا شکوک دو یقینوں (نہ ہونے کا یقین یا کسی چیز کے ہونے کا یقین) کے درمیان رک جانے والی سوچ کی کیفیت کا نام ہے۔ لیکن شک کی رفتار اگر رک جانے کے بجائے اپنا سفر آگے کی طرف جاری رکھے تو شک گمان میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ 'گمان' کیلئے عربی زبان میں ''ظن'' (جمع ظنون) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں مشکوک ذہن اپنانا یا کسی کے بارے میں شکوک و شبہات کو پروان چڑھانے کی کیفیت کو تجسس کا ردیف سمجھا گیا ہے اور تجسس کا عمل شکی ذہنی کیفیتوں کے نتیجے میں شروع ہوتا ہے۔ کلام الٰہی میں کسی کا تجسس کرنے اور کسی کے بارے میں منفی گمان رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ سُوْرَۃُ الْحُجُرٰتِ

اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو۔ یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور بھید نہ ٹٹولا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی نے اپنے کلام میں ''ظن'' اور گمان کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

سون تان لڪائي ڪھٽي، روئڻ ڪئي روشن،
رسو ريڏالن ڪي، منجھان زردي «ظن»
ويري ٿيو ورن، ڳالھ ڪيائين ڪجھہ جي.

میں نے تو محبت کو بہت چھپایا، لیکن تمام کوششیں اور محنتیں رائگاں گئیں، میرے رنگ کی زردی کی کیفیت نے اور میرے رونے دھونے سے ٹوہ لگانے والے راز محبت سے واقف ہوگئے اور میرے چہرے کی کیفیت نے میرے من کی مخفی کیفیتوں کو طشت ازبام کردیا۔

گمان سے اگلا سفر یقین کی کیفیت تک پہنچنے کا ہوتا ہے اور یقین کے تین مراحل بیان کئے جاتے ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ کلام الٰہی میں یقین کی منزل تک پہنچنے کے لئے عبادت کو لازم قرار دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ایمان کامل اور یقین کامل تک رسائی کیلئے واحد راستہ عبادت خداوندی ہے۔ واعبد ربک حتی یاتیک الیقین. کلام الٰہی کا سب سے پہلا دعوٰی یہ ہے کہ اس کتاب میں کسی شک و شبہ کی کوئی بھی گنجائش نہیں ہے۔ کلام الٰہی کا سینٹرل آئیڈیا **Central Idea** یا موضوع ''انسان'' ہے۔ اس کے تمام مضامین انسان کی زندگی کے شب و روز کے گرد گھومتے ہیں، ایمان اور کفر انسانی ذہن کی دو مختلف اور متضاد ذہنی کیفیتیں

ہیں، ایمان مثبت ذہنی کیفیت کا روپ ہے، جبکہ کفر منفی ذہنی کیفیت کے عکس کا نام ہے۔ ایمانیات میں شک کہاں کہاں پیدا ہوسکتا ہے؟ پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے میں شک، کلام الٰہی کی صداقت و حقانیت میں شک، قرآنی مضامین (مثلاً قرآن کے بیان کردہ تاریخی واقعات کے سچے اور تاریخی ہونے میں شک، قرآن مجید کی بیان کردہ عالمگیر انسانی صداقتوں کے بارے میں شک، جزا و سزا قیامت اور عالم اخروی کے سچے ہونے میں شک) میں شک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار کردار اور زندگی کے رویوں کے بارے میں شک وغیرہ وغیرہ۔ کلام الٰہی نے انسانی ذہنوں میں ابھرنے والے ان تمام شکوک و شبہات کے جوابات دیئے ہیں اور کھول کھول کر ایسے مسکت جوابات دیئے ہیں کہ انسانی گروہ کے ہر عقل سلیم کو ان دلائل کی سچائی پر یقین آجاتا ہے۔ ذالک الکتاب لاریب فیہ کے دعوے کو بیان کرنے کے بعد، رب ذوالجلال کافروں اور مشرکوں کے پراگندہ ذہنی کیفیتوں کو محسوس کرتے ہوئے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۳ میں فرماتے ہیں:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ ۖ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾ سورۃ البقرۃ

ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے، اگر اس میں تمہیں شک ہے اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ، تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلالو۔ قرآن مجید نے رسالت پیغمبر اور کتاب الٰہی کی صداقت میں شک کرنے والے انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے چیلنج دیا ہے کہ: ”ہم نے اپنے بندے پر جو کتاب اتاری ہے اس کے من جانب اللہ ہونے میں اور منزل من اللہ ہونے میں اگر تمہیں شک ہے تو تم اپنے حمایتوں کو ساتھ ملاکر اس جیسی ایک ہی سورت تو بنا کر دکھادو اور اگر ایسا نہیں کرسکتے تو تمہیں جان لیسا چاہیے اور یقین کرنا چاہیے کہ یہ کلام کسی انسانی ذہنی کاوش کا نتیجہ نہیں ہے۔ کلام خداوندی ہے اور سچی کتاب ہے۔“

اسی مضمون کو سورۃ یونس کی آیت ۳۸ میں پھر سے دہرایا گیا ہے:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ سورۃ یونس

کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو گھڑلیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم پھر اس کے مثل ایک ہی سورۃ لاؤ اور جن جن غیراللہ کو بلاسکو بلالو اگر تم سچے ہو۔

انسان کی ذہنی پستی اور ذہنی سوچوں کی پراگندگی کو اور ان سے پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو سورۃ ہود کی آیت ۱۳ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٣﴾ سورۃ ہود

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اس نے گھڑا ہے؟ جواب دیجئے کہ پھر تم بھی اس کے مثل دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے چاہو اپنے ساتھ بلا بھی لو اگر تم سچے ہو۔

رب ذوالجلال کو خوب معلوم تھا کہ یہ کتاب، کتاب الٰہی ہے۔ اسی کی نازل کردہ ہے اور اس جیسی ایک آیت بھی روئے ارض کے تمام انسان ملکر بھی نہیں بنا سکتے تھے۔

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿٢٤﴾ سورۃ البقرۃ

پس تم نہیں کرسکتے ہرگز نہیں کرسکتے (یعنی اس کے جیسی ایک آیت بھی نہیں لاسکتے) پس بچو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

مشرکین عرب کے شکوک کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱- بعض لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کلام سناتے ہیں وہ کسی دوسرے ذہین آدمی سے سن کر اور سیکھ کر ہمیں سناتے ہیں۔ یہ پیغام خداوندی نہیں ہے۔

۲- کچھ لوگوں کا کسی ایک مخصوص آدمی کے بارے میں خیال تھا (حضرت دحیہ بن جنادہ کلبی) کہ وہ آدمی حضور علیہ التحیۃ والتسلیم کو سکھاتے ہیں اور حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم آکر ان کو سناتے ہیں۔

۳- کچھ لوگوں کا ایک مبہم سا خیال تھا کہ یہ کلام بشر ہے، انسان کی ذہنی اور اختراعی کاوش کا شاخصانہ ہے یہ کتاب کتاب خداوندی نہیں ہے۔

۴- لوگوں کو یہ بھی اعتراض تھا کہ بفرض محال اگر خداوند کریم کو نبی کا بھیجنا ضروری بھی تھا اور وحی کو نازل کرنا تھا تو اس یتیم مکہ کو کیونکر منتخب کیا گیا جوکہ ہمارے لوگوں کی بنسبت کمتر اسباب زندگی رکھتا ہے اور دنیوی اسباب کے لحاظ سے ہم لوگوں سے بہت پیچھے ہے۔

یہ اور اس قسم کے کئی ایک سواالات تھے جو مشرکین عرب وکفار مکہ کی طرف سے آنجنابؐ کی ذات کے خلاف اور ان پر نازل کردہ کتاب ربانی کے خلاف اٹھائے جاتے تھے، ان سوالات کا پرچار اور پروپیگنڈہ کرتے تھے اور پیغام ربانی کی رسائی میں مشکلاتیں پیدا کرنے کی کوششیں کیا کرتے تھے۔ رب کریم ان تمام سوالات کے کھول کھول کر جوابات دیئے ہیں اور کئی ایک مقامات پر دیئے گئے ہیں۔

یہ اعتراضات اور سوالات کیوں اٹھائے گئے:

دنیا کے اصحاب شعر وسخن جانتے ہیں کہ عرب حضرات کا قدیم الایام سے یہ دعویٰ رہا ہے کہ وہ زبان دانی، کلام و بیان اور فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ وہ دنیا میں یا کرہ ارض پر بسنے والی تمام اقوام عالم کو بلاغت و بیان میں اپنا ہمسر نہیں مانتے، بلکہ ان کا تو یہ خیال ہے کہ دنیا میں اگر کوئی قوم بولنا جانتی ہے یا بولتی ہے تو وہ تو صرف عرب قوم ہے باقی سب کی سب اولاد آدم بے زبان ہے اور گونگی ہے۔ اسی وجہ سے یہ قلم وقرطاس کے استعمال کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ ہر چیز ازبر یاد کرلیتے تھے۔ اپنے ذہنوں اور حافظوں کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ ادبی مجلسیں منعقد کیا کرتے تھے، شعر وسخن کا ان کے اندر عام چرچا تھا۔ مرد تو مرد تھے ان کی عورتیں بھی آج سے پندرہ سو سال پہلے بھی ذہنی طور پر اتنی آزاد تھیں کہ وہ حسن وعشق کی شاعری کرتی تھیں۔ فصاحت اور بلاغت کی دنیا میں عرب حضرات اس دور کی دنیا میں واقعتاً سب سے آگے تھے اور کسی حد تک اپنے دعوائے ادعاء عرب میں (عرب کی معنیٰ فصیح و بلیغ و صاف کے آتی ہے) سچے تھے۔ ابن الندیم کی الفہرست اور اصفہانی کی الاغانی سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اس دور کا عرب قوت گویائی اور الفاظ کے استعمال سے خوب آشنا تھا۔ ''اصحاب سبع المعلقات'' کے کلام کو مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یقین کرنا پڑتا ہے کہ اس دور کا کلام عرب دنیا کے کسی بھی خطے کے ادبی شہپاروں سے بہتر و برتر تھا۔ عرب زبان کے دھنی تھے۔ سخن کے بادشاہ تھے، ادبیت ان کا اوڑھنا اور بچھونا تھی۔ شعر وسخن کی آبیاری کرتے تھے۔ زبان دانی اور کلام فہمی ہی ان کا وجہ افتخار تھی، ان کے مقابلوں معرکوں اور ایک دوسرے کو زیر کرنے کی زمین زمین ادب ہی تھی۔

ایسے ہی ماحول میں اور ایسی ہی زبان و بیان کی دنیا میں رب ذوالجلال نے ایک ایسے انسان کو بھیجا جوکہ اسباب زبان دانی سے دور تھا، اس کے گھرانے کا کوئی بھی فرد قلم و کاغذ کی دنیا سے ناآشنا تھا وہ یتیم پیدا ہوا تھا اس نے تو اپنے والد گرامی اور والدہ محترمہ سے بھی عربی محاورات وتمثیلات کے استعمال کو نہیں سنا تھا، بنو ہوازن قبیلے کی پہاڑی کے دامن میں حلیمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی بیٹی شیما، جو ان کی رضاعی بہن تھی، کے ساتھ ساتھ بچپن بسر کیا تھا، اکیلا اکیلا رہا کرتا تھا، اکیلا ہی تھا اور منفرد تھا کسی کے ساتھ زیادہ میل جول نہیں رکھتا۔ اس نے نہ تو کسی سے کچھ پوچھا تھا نہ سیکھا تھا اور نہ ہی کوئی اس کا استاد تھا وہ تو امی تھا اور بغیر کسی دنیوی اسباب تعلیم کے عرب جیسے فصیح و بلیغ خطہ ارض پر اور عربوں جیسی زبان و بیان پر قادر قوم

کے سامنے آ کر دعویٰ نبوت کر چکا تھا۔ عرب حیران تھے کہ یہ کیا ہوگیا ہے۔ یہ کیسا کلام بولتا ہے؟ اس کے کلام میں کیا اثر پذیری ہے، کیسی کشش ہے اور کیسی مٹھاس ہے کہ لوگ کھنچے چلے جارہے ہیں اور روزانہ بڑھ رہے ہیں؟ لہٰذا طیش میں آ کر انہوں نے سب سے پہلا حملہ کتاب مقدس کی حقانیت پر اور اس کے من جانب اللہ ہونے پر کیا اور کہا کہ: ''یہ تو کلام بشر ہے، خداوندی کلام نہیں ہے، یہ اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر سنا رہے ہیں اور یہ تو ایسے ذہین انسان ہو ہی نہیں سکتے کہ ایسا بہترین کلام تیار کرسکیں ان کو تو کوئی اور آدمی سکھاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ'' (العیاذ باللہ) چنانچہ کلام الٰہی نے سب سے پہلے ان کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ قرآن مجید کلامِ رب کریم ہے، من جانب اللہ نازل کردہ ہے اور اس کی حقیقت وحقانیت میں کوئی بھی شک نہیں ہے۔ اگر تم اس کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے میں شک کرتے ہو تو تم لوگ عربیت کا دعویٰ کرتے ہو، فصاحت و بلاغت کو اپنے دروازے کی کنیز سمجھتے ہو، شعر وسخن کی محفلیں سجاتے ہو، ادب اور ادبیت پر ناز کرتے ہو، تو سب کے سب مل کر بیٹھو اپنی ادبی کاوشیں جمع کرو، اپنے شعراء و ادباء کو اکٹھا کرو اور ادبی حلیفوں سے مل بیٹھ کر اس کتاب کا مقابلہ کرو اور اس کی جیسی صرف ایک ہی آیت بنا کر دکھاؤ۔ اس دعویٰ قرآنی کو اور اس عظیم چیلنج کو اس دور کے فصحاء عرب نے قبول کیا۔ ادیبوں، شاعروں سخن فہموں اور سخن دانوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے قرآنی چیلنج کو بیان کیا گیا اور کوششیں کیں کہ اس قرآن حکیم جیسی ایک آیت بناسکیں اور گھڑ سکیں۔ لیکن عاجز رہے اور درماندہ رہ گئے۔ باوجود دعویٰ فصاحت و بلاغت وسخن دانی کے ادبی معرکہ کارزار میں گھٹنے ٹیک کر ہار مان لی۔

آج کے دور میں بھی مشرکین مکہ وکفار عرب جیسا زمین کے گولے پر کند ذہن انسان موجود ہے جو کہ ایسی باتیں کرتا رہتا ہے اور اپنے پیش رو کند فہم انسانوں کے دعووں کو دہرانے کی سعی ناتمام کرتا رہتا ہے۔ بعض غیر مسلم بھی اسلام کو محمڈن ازم اور مسلمانوں کو محمڈنس کہتے ہیں، جس کا سادہ لفظوں میں مفہوم یہ بنتا ہے کہ اسلام دین خداوندی یا من جانب اللہ نازل کردہ نہیں ہے۔ بلکہ حضرت محمد صلی اللہ کی علیہ وسلم کا بنایا ہوا دھرم ہے اور مسلمان اللہ کی جماعت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نہیں ہیں بلکہ محمد عربی کا پیدا کردہ ایک فرقہ ہے (نعوذباللہ) (اور تو اور ادبی حلقوں کے ترقی پذیر حضرات بھی اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں) دنیا کی ہر زبان میں ادب اور ادبی شہپارے موجود ہیں۔ تحریری اور غیر تحریری لوک ادبیات لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں اور دقیق سے دقیق تر موضوعات پر انسان نے قلم کی زور آزمائی کی ہے۔ آج کے دور میں چین کی زبان دنیا کی زبانوں میں بڑی زبان گنی جاتی ہے۔ فرانسیسی زبان کو بھی عالمگیریت کا دعویٰ ہے اور انگریزی زبان و ادب تو اپنی مفتوحہ وغیر مفتوحہ مقبوضات پر اپنے تحریری، تحقیقی و سائنسی تحریروں کی وجہ سے اپنا لوہا منوا چکی ہے اور اس دور کی ادبی دنیا کی امیر ترین زبانوں میں شمار کی جارہی ہے۔ ان تمام زبانوں کی تمام تحریریں گوکہ ادبیت کے لحاظ سے اعلیٰ مقام رکھتی ہیں اور ادبی زر و جواہر کے خزینے لٹاتی ہیں، لیکن اس حقیقت کو بھی ماننا پڑتا ہے کہ یہ تمام کی تمام زبانوں کی تحریریں اور ادبی شہپارے انسانی ذہنوں کی گرانقدر کاوشیں ہیں اور انسان زادوں کے ذہین دماغوں کی تخلیق کردہ شاہکاریں ہیں جوکہ اپنے تمام تر علمی کمالات کے باوجود کہیں نہ کہیں تضادات کا شکار ہیں تو کسی جگہ عبارت آرائی میں کمتر نظر آتی ہیں، کہیں ان کا موضوع تو اچھوتا لگتا ہے لیکن صرف ونحو کی کمزوری نظر آتی ہے۔ دنیا کی تمام زبانوں کے تمام علوم پر لکھی گئی کتابیں ادبی خامیوں، تحریری نقائص، موضوعات کی کم مائگی، اسلوب نگارش کے عیوب سے مبرا نظر نہیں آتیں اور ان کا اسلوب نگارش گواہی دے رہا ہے کہ یہ انسانی تحریریں ہیں اور بشری بساط کے تحت لکھی گئی ہیں۔ انسان کتنا بھی صاحب فضل وکمال ہو، علوم وفیوضات کا خزینہ ہو اور اپنی نظیر آپ ہو پھر بھی اس کی تخلیق اور پیشکش میں وہ تخلیقی جمال اور حسن نگارش نہیں ہوتا اور نہیں پایا جاتا جوکہ خالق حسن و

جمال کی تخلیق اور پیش کش میں موجود ہوتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ کوئی بھی بشری تخلیق عیوب و نقائص سے معصوم اور مبرا نہیں ہوسکتی، اسی وجہ سے کلام الٰہی میں اس حقیقت کو واضح طور بیان کیا گیا ہے کہ: فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ. پس بڑی برکت والی ہے اللہ پاک کی ذات جوکہ احسن الخالقین ہے۔

تنزیل قرآن کے دور کے ذہنی بیمار انسانوں نے خواہ آج کے ذہنی دماغی مریض انسان نے قرآن کریم میں خامیوں، نقائص اور عیوب کے تلاش کرنے میں کافی وقت صرف کیا ہے، لیکن آج تک انسانیت کا کوئی بھی ایک فرد قرآن میں کسی ایک قسم کا کوئی بھی عیب تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا ہے۔

کلام الٰہی صرفی، نحوی، لغوی اصطلاحی، ظاہری اور معنوی عیوب و نقائص سے بالکل پاک نظر آتا ہے۔ اس کی تشبیہیں، تمثیلیں، محاورے، استعارے کنائے تمام کے تمام عربی گرامر کے لحاظ سے بالکل اعلیٰ ادبیت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اس کتاب کا اسلوب نگارش، مضامین کا تنوع، الفاظ کا اچھوتا پن اور مضامین کی مقصدیت گواہی دیتی ہے کہ یہ کتاب کسی ایسی بلند و بے عیب ہستی نے بھیجا ہے جوکہ خود بھی نقائص و عیوب سے بالاتر ہے تو اس کی کتاب بھی نقائص اور خامیوں سے مبرا ہے۔
بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مصنف پرشکوہ الفاظ کی تلاش کرتے ہوئے اپنی ادبی شاہکار کو خوبصورت الفاظ اور عبارات سے تو مزین کرجاتا ہے، لیکن الفاظ کی تراش وخراش کی وجہ سے کتاب کی معنویت و مقصدیت فوت ہوجاتی ہے اور اس کی پوری کوشش ضایع ہوجاتی ہے۔ بعض تحریریں ایسی ہوتی ہیں کہ ادبیت کے لحاظ سے تو اعلیٰ مقام رکھتی ہیں، لیکن ان کے پیغام کی تاثیریت متاثر ہوجاتی ہے' ایسا بھی ہوتا ہے کہ الفاظ بھی خوبصورت لائے گئے ہیں، کتاب کی معنویت اور مقدیت بھی واضح نظر آتی ہے۔ لیکن اس کتاب کے پیغام میں وہ تاثیر نظر نہیں آتی جوکہ دلوں کو گرمادیتی ہو، جذبات کو روان دواں رکھتی ہو اور آنکھوں کو پرنم کرتی ہو۔ کبھی کوئی ایسی کتاب انسانیت کی نظروں کے سامنے سے گذری ہو تو بیشک وہ کتاب بے مثال ہوگی اور عدیم النظیر ہوگی، لیکن حقیقت میں ایسی جامع الخصوصیات کتاب آج تک کسی کو نظر نہیں آئی ہے اور اگر آئی ہے تو وہ کلام الٰہی ہی ہے جس کا نام "قرآن مجید" ہے۔ مشرکین عرب و قریش مکہ کو اپنی فصاحت و بلاغت اور خوش کلامی پہ ناز تھا۔ ان کا گمان تھا کہ وہ روئے زمین کے سب سے زیادہ قادر الکلام اور خوش گفتار لوگ ہیں۔ اسی وجہ سے وہ نزول قرآن کے دور میں بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام ربانی پر معترض ہورہے تھے اور اپنے ہمعصروں کے دلوں میں قرآن کریم کی صداقت و حقانیت کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کررہے تھے۔
جس کا جواب کلام ربانی میں بھی اس طرح سے دیا جاتا تھا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿٨٨﴾ سُوْرَةُ الْإِسْرَاءِ

کہہ دو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لاسکیں گے۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔

سورۃ البقرہ اور سورۃ یونس میں معترضین قرآن کو چیلنج دیا گیا تھا کہ وہ خود اور ان کے تمام کے تمام مددگار حواری اور ساتھی مل کر کوشش کریں اور اس قرآن کی ایک آیت جیسی آیت بنا کر دکھائیں اور یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کرسکتے اور کبھی نہیں کرسکتے۔ سورۃ الاسراء میں انسانوں اور جنات کے تمام کے تمام فتنہ پردازوں اور شیطانوں کو چیلنج دیا گیا ہے کہ یہ اگر سب کے سب مل کی بھی اس کتاب کی نظیر اور مثیل کتاب لاسکتے ہیں تو بے شک شوق سے لائیں لیکن اور ان کے مددگار قرآن کی جیسی کتاب کبھی بھی نہیں لاسکتے۔
سورۃ طور کی آیت ۳۳-۳۴ میں کفار مکہ کے شکوک و شبہات کو ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے:

أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾ سُوْرَةُ الطُّوْرِ

کیا کفار کہتے ہیں کہ ان پیغمبر نے قرآن کو از خود
بنالیا ہے بات یہ ہے کہ یہ خدا پر ایمان نہیں
رکھتے۔ اگر یہ سچے ہیں تو ایسا کلام بنا تو لائیں۔

مذکورہ بالا آیات میں اسہات کو باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسانی مخلوق اور جنات تمام کے تمام اگر مل کر بھی اس بات کی کوشش کریں کہ اس قرآن کی جیسی ایک اور کتاب تیار کریں تو ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ بلکہ کلام الٰہی نے تو یہاں تک بھی کہہ دیا ہے کہ ایک مکمل کتاب تو دور کی بات ہے اور ان کی کوششوں کے بس کی بات نہیں ہے یہ تو دس آیات بھی ایسی نہیں لا سکتے۔ دس آیات بنا کر لانا بھی بہت بڑا معاملہ ہے یہ لوگ تو ایک آیت بھی اس قرآن جیسی نہیں لا سکتے اور نہیں بنا سکتے۔

قرآن جیسی کتاب کیوں نہیں بنائی جاسکتی:

آخر کیا وجہ ہے کہ دنیا کے ذہین اور باکمال لوگ جن کی ذہنی کاوشوں نے دنیا میں طرح طرح کی نت نئی اختراعات اور ایجادیں کی ہیں۔ جن کی دماغی محنتوں سے اور ان کی فیوضات سے دنیا کی دنیا مستفیض ہورہی ہے جن کی سائنسی ایجادات، علمی اکتشافات اور تحقیقی کمالات نے دنیا کو زیر و زبر کردیا ہے زمین کے بروبر اور سمندروں کی دنیا ان کی جولانیوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے اور انسانی دماغی ایجادات نے آسمانوں کی دنیا تک رسائی حاصل کرلی ہے۔ پھر کیا وجہ ایسے ذہین افراد جو کہ اس کتاب کی حقیقت و حقانیت کے بھی منکر ہیں اور اس کتاب کی مثال بنانے میں اور اس کو پیش کرنے میں ناکام رہے ہیں اور قرآن کا چیلنج جوں کا توں برقرار ہے اور اس کی تکذیب کرنے کی آج تک کوئی بھی فرد بشر جسارت نہیں کرسکا ہے؟ یہ بات غور کرنے کی ہے اور سوچنے کی ہے کہ آخر اس کا کیا ماجرا ہے کہ آج کے دور کا سائنس اس چیلنج کو قبول کرنے سے عاجز ہے؟ کلام الٰہی نے کئی سو سال پہلے انسان کی ذہنی عاجزی اور درماندگی کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔ قرآن حکیم نے ان وجوہات کو بھی بیان کیا ہے جن وجوہات کی وجہ سے انسان اس کی مثال پیش کرنے سے اور اس کی جیسی کتاب بنانے سے معذور اور لاچار ہے۔ قرآن نے ان وجوہات کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

پہلی وجہ:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ
غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝۸۲
سُوْرَۃُ النِّسَاۗءِ

بھلا یہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟ اگر
یہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں
بہت سا اختلاف پاتے۔

قرآن مجید انسانی فکر کو اس کتاب مقدس کی تعلیمات میں غور وفکر کی دعوت دے رہا ہے کہ یہ لوگ جو اس کتاب عظمت، صداقت اور حقانیت کے منکر ہیں اس کتاب کی آیات میں ان کی معانی و مفاہیم میں تفکر و تدبر کیوں نہیں کرتے؟ تاکہ ان کے پراگندہ ذہنوں کی ساری الجھنیں ختم ہوجائیں اور یہ لوگ راہ مستقیم پر آجائیں۔ بغض، عناد اور عداوت کے من جملہ وجوہات میں سے ایک وجہ لاعلمی، دوری اور بیگانگی بھی ہے۔ جس کسی نے کسی چیز کو قریب سے دیکھا ہی نہیں اس چیز کو پرکھا اور آزمایا ہی نہیں اس کی حقیقت، ماہیت اور اصلیت سے لاعلم ہے۔ اس سے دور ہے اور اس کے مخالفین اور معاندین کے پروپیگنڈے پر باور کئے ہوئے ہے اور مخالفین کی کانوں سنی باتوں پر اعتبار کر کے اس کا بدخواہ اور دشمن بنا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی دشمنی مفروضوں پر قائم کی گئی ہے۔ جس کا حقیقت اور اصلیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ انسانی معاشرے میں بھی محبت اور عداوت کے جذبات کے پیدا کرنے کے کوئی نہ کوئی اسباب ہوا کرتے ہیں۔ بلاوجہ کی دشمنی اور دوری عقل سلیم کے تحت قائم ہونے والے رویوں کے برخلاف ہے اور ایک احمقانہ حرکت ہے۔ لہٰذا قرآن مجید ایسے لوگوں کو تدبر و تفکر فی القرآن کی دعوت عام دے رہا ہے کہ آؤ اور اس کتاب کے کلام و پیغام میں غور کرو۔ جب اس کتاب کو پڑھو گے اور اس کے مفاہیم و معانی میں غور کرو گے

تو اس کتاب میں ایک ربط ایک تسلسل اور ایک روانی نظر آئے گی، اس کی تمام باتیں اصول فطرت کے قریب نظر آئیں گی اور حرف اول سے لیکر حرف آخر تک اتنی بڑی کتاب میں کہیں تناقض اور تضاد نظر نہیں آئے گا۔ اس کتاب میں تقریریں بھی ہیں، تبلیغ بھی ہے، پند و نصائح بھی ہیں، تاریخی واقعات بھی بیان کیئے گئے ہیں، امم سابقہ کے حالات و واقعات بھی مذکور ہیں، سائنسی باتیں بھی ہیں، اخلاق حسنہ کی باتیں بھی ہیں۔ ایک بہترین انسانی معاشرے کی باتیں اور خدوخال بھی موجود ہیں۔ یہ کتاب قانون کی کتاب بھی ہے، رزم و بزم کی معرکہ آرائیوں کو بھی بیان کرتا ہے۔ انسانی اخلاقیات کو بھی بیان کرتا ہے، پیشن گوئیاں بھی موجود ہیں، جزا و سزا ممات و معاد کے مضامین بھی پائے جاتے ہیں۔ انسانی تخلیق کے تدریجی مراحل بھی مذکور ہین۔ سمندری علوم OCEANOLOGY بھی بیان کرتا ہے، بروبحر کی آگاہی بھی مذکورہ ہے۔ غرضیکہ علوم و فنون کی تمام کی تمام دنیا اس کتاب میں امنڈ آئی ہے، پھر بھی اس کتاب کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ کتاب صرف اور صرف انسان کو صحیح راستے پر لگانے کیلئے نازل کی گئی ہے اور یہ کتاب ہدایت ہے اور بس! اتنے سارے موضوعات، مضامین اور حقائق سے آگاہی بشری دماغ کی طاقت و استطاعت سے بالاتر چیز ہے۔ انسانی دماغ ایسی کتاب بنانے سے قاصر ہے اور اگر ابن آدم اپنی بساط سے بڑھ کر ایسی کتاب بنانے کی کوشش بھی کرتا تو لامحامہ اس کی سعی لاحاصل ہوتی اور اس کی بنائی ہوئی کتاب کئی ایک تضادات کا شکار ہوتی، کیونکہ اس کتاب کے مضامین و موضوعات پوری کائنات کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں اور یہ کتاب تمام تر علوم کائنات کا احاطہ کیئے ہوئے ہے۔ بھلا ایک کمزور انسان اس پوری کائنات کو کیسے اپنے علم کے احاطے میں لاسکتا ہے۔ یہ اس کی قدرت طاقت و استطاعت سے بالاتر کام ہے اور یہ کام صرف رب کریم ہی کرسکتا ہے جس نے یہ کتاب نازل کی ہے۔

قرآن حکیم نے اس کتاب کی مثال لانے سے انسان ذات کو اس وجہ سے بھی قاصر اور معذور سمجھا ہے کہ: اس کتاب کی آیات کے الفاظ ملتے جلتے ہیں اور بار بار دہرائے گئے ہیں۔ پھر بھی ان کی ہر ایک جگہ پر افادیت قائم ہے۔ دہرائے گئے مضامین اکتاہٹ محسوس نہیں کراتے، جتنا بھی ان کو پڑھا جاتا ہے یا سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے بھلے لگتے ہیں اور صراط مستقیم تک لے آتے ہیں:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ سُوْرَةُ الزُّمَر

خدا نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں کتاب جس کی آیات باہم ملتی جلتی ہیں اور دہرائی جاتی ہیں، جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم ہوکر خدا کی یاد کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔ یہی خدا کی ہدایت ہے وہ اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی راہ دکھانے والانہیں ہے۔

اس کتاب کا اول تا آخر ایک ہی دعویٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ کتاب کتاب ہدایت ہے۔ انسانوں کو سیدھی راہ پر لگاتی ہے، ان کو گمراہ ہونے سے بچاتی ہے اور اس کے دل و دماغ کو ایسا نرم و گداز بنادیتی ہے کہ وہ پیکر انسانیت بن جاتا ہے۔ اخلاق اس کا زیور بن جاتا ہے، انسانیت اس کی روش بن جاتی ہے اور وہ دنیا کے اس گولے پر سراپا شفقت و رحمت بن کر محبتیں ہی محبتیں بکھیرتا پھرتا ہے۔ قرآن کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ کتاب اچھی باتوں کا مجموعہ ہے۔ اخلاقیات کا خزانہ ہے اور حسین سے حسین تر باتوں کا گنجینہ ہے۔ یہ حیران کن بات ہے کہ اس کتاب میں نہایت ہی نازک سے نازک باتیں بیان کی گئی ہیں۔ زچہ و بچہ کی باتیں، انسانی تخلیق کے مراحل، نسوانی

جسمانی مسائل، زن و مرد کے باہم اختلاط و تعلقات کی نوعیت، طفولیت، بلوغت، شادی بیاہ، نکاح، طلاق، کنوارپن، بیوگی، غرضیکہ نازک سے نازک انسانی زندگی کے گھریلو مسائل جن کے اندر زن و مرد کے تعلقات تک کو بیان کیا گیا ہے۔ لیکن کیا کمال ہے قرآن کی فصاحت و بلاغت کا کہ ان تمام موضوعات پر روشنی ڈالنے کے بعد بھی اس کتاب مقدس کا کوئی ایک بھی لفظ ایسا نظر نہیں آتا جو کہ انسانی اخلاقیات کے اعلیٰ اقدار سے ذراسا بھی ہٹ کر بیان کیا گیا ہو، کسی بھی حرف سے انسانی ذہنی کسی گندگی یا ذہنی کثافت کا شکار نہیں ہوسکتا۔ ہر لفظ اپنی اپنی جگہ پر راہنمائی کرتا ہوا اور زندگی کا بہترین سلیقہ سکھاتا ہوا نظر آتا ہے۔ بیان کی یہ شستگی اور شائستگی اور خصوصاً ایسے نازک انسانی فطری مسائل کے بارے میں صرف رب کریم کی زبانی ہی ہوسکتی ہے جس کے زبان و بیان کے انداز ہی نرالے ہیں۔ یہ انسان کی دل و زبان کا کمال ہو ہی نہیں سکتا۔ انسانی علوم کے ماہرین کا کہنا ہے کہ انسان فطری طور جدت پسند واقع ہوا ہے۔ نئی نئی چیزیں اسے بھلی لگتی ہیں اور پرانی چیزوں سے وہ اکتا جاتا ہے۔ عربی زبان کا ایک محاورہ بھی اسی انسانی رویے پر چسپاں کیا جاتا ہے: ''کل جدید لذیذ'' ہر نئی چیز لذیذ ہوتی ہے۔ انسان کا سماعتی ذوق بھی نئے سے نئے مسموعات سننے کی آرزو رکھتا ہے اور سنی سنائی باتوں سے اور بار بار سنائے جانے والے اقوال سے قلب سامع اکتا جاتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کی سماعتی ذوق کے بارے میں یہ فطری قائدہ بھی یکسر آ کر بدل جاتا ہے۔ قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ وہ احسن الحدیث، خوبصورت بات ہے، دہرائے جانے سے بار بار اس کی تلاوت کرنے سے اس کے حسن سماعت میں کوئی بھی فرق نہیں آتا، حسن تو حسن ہی ہے اس کو جتنا بھی دیکھا جائے یا سنا جائے اس کی جمالیت بار بار نئی لگتی ہے اور دل و دماغ کے جذبۂ حسن ذوق کی تسکین ہوتی رہتی ہے۔ عربی میں کہاوت ہے کہ تین چیزیں بھلی لگتی ہیں: ''آب رواں کی رفتار فرشِ خداوندی پر سبز زار اور نغمہ خوش گفتار'' کلام الٰہی کا فرمان ہے کہ اس کی کئی

ایک آیات الفاظ و معانی میں ملتی جلتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دہرائی جارہی ہیں اور بار بار ذکر کی جارہی ہیں ایک دوسرے کے قریب تر لگتی ہیں۔ لیکن پھر بھی عبارت آرائی کے لحاظ سے یا مطالب و معانی کے لحاظ سے اپنی اپنی جگہوں پر مناسب سے مناسب تر لگتی ہیں، حسن بیان میں اضافے کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ان آیات کی غنائیت، صوتیت اور قرأت میں ایسا سحر ہے اور جادو ہے کہ سننے کے بعد انسانی بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور جسم میں جھرجھریاں دوڑنے لگتی ہیں۔ کلام الٰہی کا فقط یہ لفظی دعویٰ نہیں ہے بلکہ فی الواقع قرآن مجید کے پرشکوہ الفاظ کا یہ اعجاز ہے کہ اس کے الفاظ میں بلا کی کشش اور تاثیر ہے۔ اس کو سننے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ایسی چیز ہے جو دل و دماغ کو چیرتی ہوئی اندر چلی جارہی ہے۔ دماغ کو گرمارہی ہے، دل کو ٹھنڈک پہنچارہی ہے، انسانی جسم میں ایک ہلچل پیدا کررہی اور سخت دل سے سخت دل انسان کی قلبی کیفیات کو موم بنا کر اس کو رلارہی ہے اور اس کی آنکھوں کو پرنم کیئے ہوئے ہے۔ قرآن مجید کے اس دعوے کی صداقت کو بار بار آزمایا گیا ہے۔ بلال حبشی، صہیب رومی اور ام عمارہ سے لیکر آج تک کروڑوں انسان اس کی تلاوت کی سحر آفرینوں کو سن کر اپنی عزیز تر جانوں کا نذرانہ دے چکے ہیں اور رہتی دنیا تک ان الفاظ کی صداقت کی تصدیق ہوتی رہے گی۔ قرآنی صوتیات اور قرأت کا سماعتی حسن و جمال اپنے اندر ایک خاص قسم کا اعجاز رکھتا ہے کہ اس کو کوئی سمجھے یا نہ سمجھے، اس کے الفاظ و معانی کی حسن تاثیر سے آگاہی ہو کہ نہ ہو، اس کی سماعت اچھی لگتی ہے اس کی آواز میں دلوں کی کشش کیلئے ایک صدا سی محسوس ہوتی ہے۔ قرآنی الفاظ کی تلاوت کانوں میں رس گھولتی ہے اور ان کی سماعتی جذبے کو دعوت سماعت دیتی رہتی ہے۔ دنیا کا کوئی بھی نغمہ یا میٹھی آواز اس وقت اپنی اثر پذیری دکھاتی ہے جبکہ اس کے الفاظ کی معانی سے آگاہی ہو، میٹھے بول جب ہی دلوں کے نغموں کو چھیڑتے ہیں جب ان کی معانی سے آگاہی ہو، خالی خولی سریلی آوازیں اور رس گھولنے والے بول

جبکہ سمجھ میں نہ آرہے ہوں تو کانوں کو بھی اچھے نہیں لگتے۔ لیکن کلام الٰہی کا یہ کمال ہے کہ عبدالباسط عبدالصمد کی قرآنی تلاوت، قاری محمد علی کی قرآن خوانی اور سدیس کی قرآنی آوازیں کانوں کو چیرتی ہوئی اندر چلی جاتی ہیں، ان کے الفاظ سے آگاہی ہو کہ نہ ہو دل کی کیفیات تبدیل کرتی ہوئی نظر آتی ہیں اور قلب مؤمن کی ایمانی تاروں کو چھیڑتی رہتی ہیں۔

قرآن حکیم کا اول اور آخر ایک ہی دعویٰ ہے جس کو بار بار دہرایا گیا ہے اور بنی نوع آدم کو اس بات پر باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ صرف اور صرف ہدایت کی کتاب ہے انسان کو سیدھی راہ بتاتی ہے۔ بھٹکے ہوئے کو منزل کے نشان بتاتی ہے، جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے اور جو لوگ قلب سلیم رکھتے ہیں یہ کتاب ان کو اخروی نجات اور حصولِ رضائے الٰہی کے طریقے بتاتی ہے۔ اس کتاب کا مقصدِ نزول ہی یہ ہے کہ توحید کو واضح کیا جائے۔ شرک کی نفی کی جائے اور جو باتیں محمد ﷺ لائے ہیں ان کی حقانیت اور صداقت کو لوگوں کے دلوں میں پختہ کیا جائے۔ لیکن انسانوں کے رویوں نے، ان کی ماضی کی تاریخ نے، ان کے آباؤ واجداد کے گزرے ہوئے واقعات نے یہ ثابت کیا تھا کہ انسان بڑا جھگڑالو، ضدی اور سخت دل واقع ہوا ہے۔ کلام الٰہی میں اس بات کو بار بار دہرایا گیا ہے کہ انسان ضدی اور منکر ہے۔ حق کو جھٹلاتا ہے، سچ کا انکار کرتا ہے اور کلام الٰہی کی واضح آیات اور خداوند کریم کی قدرت و حقانیت کا انکار کرتا ہے۔ فرمایا گیا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ سُوْرَةُ الْحَشْر

جبکہ اگر اس قرآن کو اگر ہم پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے پرزے پرزے ہوجاتا، ہم یہ مثال انسان کے لئے اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ اسے نصیحت ہو۔

اوپر دی گئی آیت سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ کلام اللہ میں اتنی طاقت اور تاثیر ہے کہ جس کی وجہ سے طاقتور اور مضبوط و بلند و بالا پہاڑوں کے سینے بھی چیرے جاسکتے ہیں۔ کلام الٰہی میں یہ تاثیر جو سخت جان پہاڑوں کو پرزہ پرزہ کرتی ہے اور ان کو پانی بناتی ہے وہ کیوں رکھی گئی ہے؟ کلام الٰہی میں ان دونوں سوالات کے جوابات باری باری دیے گئے ہیں۔ تاریخ کے تاریک ادوار کا کوئی ایسا زمانہ بھی تھا جب پہاڑوں کو فطرت کی طاقتور ترین مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ ان کی بلندی، ان کی سختی اور ان کے لامتناہی سلسلے ایسے بھی تھے جن کو انسانوں نے اپنے پیروں تلے نہیں روندا تھا، بلکہ انسان ان کی بلندیوں تک رسائی سے اور کوہ پیمائی سے ابھی تک آشنا بھی نہیں ہوا تھا۔ صدیوں پرانی تاریخ کا انسان فطرت کی ان پرشکوہ، سخت جان اور مہیب طاقتوں سے ڈرتا تھا، سہا سہا رہتا تھا اور اپنے آباؤ واجداد کے بنائے ہوئے اور خود ساختہ مفروضات کی وجہ سے ان کی پرستش بھی کرتا تھا۔ صدیوں کی انسانی تاریخ نے انسان کو پتھروں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن قدیم تاریخ کا سہا ہوا اور ڈرا ہوا انسان وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ جرأت مند اور دلیر ہوگیا اور اس نے سینہ تانے ہوئے ہیبتناک پہاڑوں کو توڑا، کوٹا اور ان کا سینہ چاک کیا۔ ان میں راستے بنائے اور ان کے ناقابلِ تسخیر ہونے کے مفروضے کو جھوٹا ثابت کیا، کیونکہ انسان بذاتِ خود ان مضبوط پہاڑوں سے زیادہ تنومند، طاقتور اور سخت جان تھا۔ یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے، جس نے آج سے پندرہ سو سال پہلے انسان کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ کلام الٰہی کے پرشکوہ الفاظ، قدرت بیان اور فصاحت و بلاغت اتنی طاقتور چیزیں ہیں کہ انسان کے پتھر سے بھی زیادہ سخت دل کو بھی موم بنا سکتی ہے اور اس کے دل میں ایسی نرمی اور رقت پیدا کرسکتی ہیں کہ اس کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں وہ راتوں کی راتیں جاگ کر گزارتے ہیں۔ قرآن مجید کے اس دعوٰی کو کہ "اس کتاب مقدس کی نظیر لانا انسان کے بس کی بات نہیں

ہے۔" چودہ سو سال کی انسانی تاریخ واقعتاً ثابت کرچکی ہے کہ یہ کتاب دنیا کی واحد اور بے مثل کتاب ہے، جس کی مثال لانا امر محال ہے۔ اپنی عبارت آرائی کے لحاظ، فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے یا مفاہیم اور معانی کے لحاظ سے قرآن مجید اپنی مثال آپ ہے۔ انسانی تاریخ کے تمام ادوار میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ایسے انسان بھی گذرے ہیں جو اپنی ذہانت کے اعتبار سے فہم و فراست کے حساب سے یا حقائق شناسی کے لحاظ سے ذہین سے ذہین انسان گزرے ہیں، جن کی علوم و فنون اور ایجادات کے لحاظ سے شاندار تصنیفات پائی جاتی ہیں۔ سائنسی اور تحقیقاتی کتابیں معرضِ وجود میں آئی ہیں، لیکن آج تک کوئی بھی ایسی کتاب دنیا والوں کی نظروں کے سامنے نہیں آئی جس نے قرآن مجید کی ایک بھی چیز کو حقائق، تجربات، مشاہدات اور انسانی تاریخ کے واقعات کے خلاف ثابت کیا ہو۔ قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں انسان کی ماضی کی تاریخ کو بیان کیا گیا ہے اور کئی ایک قوموں کے واقعات بیان کئے گئے ہیں، کلام الٰہی نے قوموں کی بود و باش، طرز تعمیر، تہذیب و تمدن اور ان کے جغرافیائی محل وقوع تک کو بیان کیا ہے اور ازراہ مثال بیان کیا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کتاب ہدایت ہے اور اس نے کہیں بھی یہ بات نہیں کہی ہے کہ یہ ایک تاریخی کتاب ہے، لیکن آج تک کسی بھی ماہر تمدن، آثار قدیمہ کے ماہر اور انسانی تاریخ کے شناساؤں نے قرآنِ مجید کے بیان کردہ کسی ایک تاریخی واقعے کو بھی غلط اور خلاف حقیقت ثابت کرنے کی جسارت نہیں کی ہے۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

سُوْرَةُ يُوْنُس

اور یہ قرآن ایسی کتاب نہیں ہے کہ خدا کے سوا اس کو کوئی اپنی طرف سے بنا کر لائے۔ ہاں یہ خدا کا کلام ہے جو کتابیں اس سے پہلے کی ہیں، ان کی تصدیق کرتا ہے اور انہی کتابوں کی اس میں تفصیل موجود ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

پچھلے دو تین سو سالوں سے دنیا کے آثار قدیمہ کے ماہرین نے گذشتہ اقوام کی تاریخ، تمدن، ثقافت اور آثار پر کام کیا ہے اور بہت ہی اچھا کام کیا ہے۔ انسانی تاریخ کے ماضی کے دفینوں کو منکشف کیا ہے اور کئی ایک قوموں کی تاریخ کو علم الآثار کی روشنی کے نقطہ نظر سے جانچنے، پرکھنے اور پڑھنے کی کوشش کی ہے۔ مصر کی تاریخ، تاریخ یونان کے آثار، رومی اقوام، بابل کی تہذیب، قوم عاد و ثمود، یمن اور ملک سبا پر تاریخی کام ہوا ہے اور یہ کام زیادہ تر ان لوگوں نے کیا ہے جن کی اسلام سے کوئی بھی ہمدردی اور وابستگی نہیں ہے لیکن ان کی تحقیقات سے بھی وہی کچھ ثابت ہوا ہے جوکہ صدیوں پہلے قرآن نے فرمایا تھا۔ کلامِ الٰہی میں موسیٰ اور فرعون کے واقعات کو تمام تاریخی واقعات سے زیادہ مفصل بیان کیا گیا ہے اور بار بار بیان کیا گیا ہے۔ کتاب مقدس (بائبل) میں جسے کنعان کی سرزمین سے یاد کیا گیا ہے، قدیم یونانی اقوام اس کو "فنیقیہ" کے نام سے یاد کرتیں تھیں، موجودہ تاریخ میں اس کو ارض لبنان کہا جاتا ہے، عربی زبان میں "لبن" کا لفظ دودھ کے معنیٰ کیلئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس زمین کی بلند و بالا پہاڑی چوٹیاں ہر وقت سفید برف سے ڈھکی رہتی تھیں اسی وجہ سے عربوں نے اس کا نام لبنان رکھا۔ قدیم زمانے میں یہ ملک، ملک شام کا ایک حصہ تھا اس خطے میں قدرتی زرعی پیداوار بکثرت ہوتی ہے۔ صنوبر، شہتوت، زیتون، انگور، سنگترہ اور انجیر وافر مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ انجیروں والے پیغمبر کا ذکر اسی خطہ ارض کے حوالے سے قرآن مجید میں ہوا ہے۔ چودہ سو سال گذر گئے ہیں لبنان میں آج بھی انگور اور انجیر بکثرت پیدا ہورہے ہیں۔

قرآن کی زرعی زمینی معلومات کو آج تک کوئی بھی تبدیل نہیں کرسکا ہے۔ فرعون کے بارے میں کلامِ الٰہی میں اس کے انجام کار کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿٩٢﴾ سُوْرَةُ يُوْنُس

سو آج ہم تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لئے عبرت کا نشان بن جائے جو تیرے بعد آئیں گے اور بہت سے آدمی ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

مصر، موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی تاریخ ۲۷۳۸ قبل مسیح سے شروع ہوکر ۹۵۴ قبل مسیح تک فراعنہ مصر کی تاریخ سے عبارت ہے۔ ملکِ مصر پر کئی ایک فراعنہ سریر آرائے سلطنت رہے ہیں۔ ابوالہول جس کا جسم شیر کا اور چہرہ فرعون خافرع کا ہے زمانہ قدیم سے یادگار ہے، جس کو اس دور کے معمار اعظم ''ام ہوتپ'' نے تعمیر کیا تھا۔ مشہور فراعنہ مصر میں سے ''فرعون پے پی، تت موس، آمن ہوتپ، توت انخ آمن، آمن ہوتپ دوم آمن ہوتپ سوم، فرعون رع مسیس اور رع میسس دوم'' یہی وہ فرعون ہے جس کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعویٰ نبوت کیا تھا اور قبطیوں کی غلامی سے بنی اسرائیل کو آزاد کراکے ارضِ کنعان میں بسایا تھا۔ فرعونِ موسیٰ کے ایک سو بیٹے اور پچاس بیٹیاں تھیں۔ مصر کے فرعون اور ان کی مصری رعایا ''آمن رع'' زیریس، آئس دیوی اور ہورس کی پوجا کرتے تھے۔ ان تمام فراعنہ مصر میں سے ایک فرعون ''آمن ہوتپ'' موحد فرعون تھا۔ اس نے سورج دیوتا جسے ''رع'' کہتے تھے، اس کی پرستش ترک کردی تھی اور ان کی پرستش کے معبدوں کو مسمار کرادیا تھا۔ یہ فرعون خدائے واحد لاشریک کو کارساز اور قادر مطلق مانتا تھا۔ اس کی بیوی کا نام ''نیفر تیتی'' تھا۔ فرعون موسیٰ ''رع'' کی بھی پرستش کرتا تھا اور اپنے آپ کو بھی خداوند خدا کہلواتا تھا۔ جب یہ غرق ہوا تو رب ذوالجلال نے اس سے عہد کیا تھا کہ تیرے جسم کو دیکھنے والوں کے لئے سلامت رکھوں گا، تاکہ وہ تجھے دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔

کلام الٰہی نے فرعون مصر کے جسم پلید کی سلامتی کی بات بارہ سو سال پہلے کی تھی اور واضح الفاظ میں بات کہی تھی کوئی بارہ سو سال بعد میں مصری ارضی آثار کی کھدائی کی گئی اور ان پر تحقیق کی گئی اور پھر دنیا یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ ''رع میسس دوم'' جس کا جسم جو کا توں ہے اور مکمل طور پر محفوظ ہے اور قرآن کا یہ دعویٰ بجا طور پر صادق ثابت ہوا ''وبالحق انزلناہ وبالحق نزل'' ہم نے اس کو سچ کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ کتاب سچ ہی لیکر نازل ہوا ہے۔

عمومی طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ مؤرخین کسی بھی ایک بات پر کلی طور اتفاق کرنے سے اور ایک رائے پر متفق ہونے سے دور رہتے ہیں، ایک ہی بات پر سب کی رائے مختلف ہوتی ہے، لیکن جتنے بھی واقعات قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں، ان پر کسی بھی مورخ نے کوئی بھی اختلافی نوٹ نہیں لکھا ہے۔ آج کی دنیا کا یہ دعویٰ ہے کہ فی الوقت یہودی دنیا کی ذہین ترین قوم ہے۔ اختراعات اور ایجادات دنیوی کا تمام تر سہرا ان کو جارہا ہے۔ (گوکہ قرآن حکیم ان کو ضدی، کم فہم، کج بحث اور غبی مانتا ہے) اور قرآن مجید نے یہودی کردار کو بوقت نزول بالتفصیل اور بالتکرار بیان کیا ہے۔ یہود اس وقت بھی قرآن کریم اور صاحب قرآن کے شدید ترین دشمن تھے اور آج بھی وہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والتسلیم کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ قرآن حکیم نے ان کے جتنے رویے اور کردار بیان کئے ہیں یا ان کی جو بھی تاریخ بیان کی ہے یہودی آج تک اس کی تردید کرنے یا اس کی تکذیب کی جسارت نہیں رکھتے۔ قرآن میں دعویٰ کیا گیا:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ
اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ
اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا
اِنَّا نَصٰرٰی ؕ سُوْرَةُ الْمَائِدَة ۸۲

یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب آپ انہیں پائیں گے جو کہ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔

یہ اس لئے کہ ان میں علماء اور عبادت کیلئے گوشہ نشینی افراد پائے جاتے ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔ صدہاں گزر گئیں تاریخ اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ انسانی کردار اور رویے تبدیل ہوجاتے ہیں۔ دوست دشمن بن جاتے ہیں اور دشمنوں کی دشمنی محبت اور دوستی میں تبدیل ہوجاتی ہے، لیکن یہودی آج بھی اس موڑ پر کھڑا ہے جس موڑ پر اس کو حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں وقت نے چھوڑا تھا۔ کل بھی وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ﷺ) پڑھنے کا دشمن تھا اور آج بھی اس کی دشمنی میں کوئی بھی کمی نہیں آئی ہے۔

قرآن کریم کی سورت روم میں رومیوں اور ایرانی لشکروں کی معرکہ آرائیوں کا مجملاً ذکر کیا گیا ہے۔ رسول کریم ﷺ کے دور نبوت کے اوائلی ایام میں ایک بڑی لڑائی میں رومی عیسائی کسریٰ ایران کے لشکروں سے بری طرح ہار گئے تھے اور ہزیمت اٹھائی تھی۔ عیسائی چونکہ مسلمانوں کے قریبی ہمدرد تھے اور قریش مکہ کے ان کے ساتھ تجارتی و ثقافتی روابط تھے، اسی وجہ سے مسلمانوں کو رومی لشکروں کی جنگی ہزیمت سے صدمہ پہنچا تھا۔ قرآن کریم کی سورت روم میں مسلمانوں کیلئے تسلی نازل کی گئی اور ان کی دلجوئی کی گئی تھی کہ اگر آج آپ کے خیرخواہ اور بہی خواہ ہار گئے ہیں تو کوئی بات نہیں، یہ ان کی وقتی شکست ہے، کل یہ تمہارے دشمن ایرانیوں پر مکمل طور غالب آجائیں گے۔ انہیں بری طرح سے شکست و ہزیمت سے دوچار کریں گے اور آپ کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچے گی۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ؕ
لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَیَوْمَئِذٍ
یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ یَنْصُرُ
مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۵﴾ سُوْرَةُ الرُّوْم

رومی مغلوب ہوگئے نزدیک کی زمین میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے، چند سال میں اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے اس روز مسلمان شادمان ہوں گے اللہ کی مدد سے وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔

جب قرآن کریم نے رومیوں کے دوبارہ غالب ہونے کی خوشخبری سنائی تھی تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابوجہل سے شرط لگائی تھی کہ رومی ایرانیوں کو دس سال کے اندر اندر شکست سے دوچار کریں گے اور ابوجہل چونکہ مشرک تھا اور ایرانیوں کا طرفدار تھا، لہٰذا وہ رومیوں کے غالب اور فاتح ہونے کا انکار کررہا تھا۔ چنانچہ کوئی سات سال بعد رومیوں نے ایرانیوں کو بری طرح سے شکست فاش سے دوچار کیا تھا اور ایرانیوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ قرآن حکیم نے اس موقعے پر "بضع سنین" چند سال کا لفظ استعمال کیا تھا، جوکہ عربی زبان میں تین سے نو تک کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ کس طرح سے قرآنی خوشخبری سچی ثابت ہوئی اور صرف سات سال بعد مشرکین مکہ کے طرفدار ایرانی ہار گئے۔ سورۃ روم میں "جنگی میدان" جہاں پر ایرانی اور رومی آپس میں ٹکرائے تھے اس کے لئے ایک خاص لفظ استعمال کیا گیا ہے "فی ادنی الارض" ادنیٰ کے ایک معنیٰ "نیچے کی زمین" بھی لغت میں بیان کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ آج کی دنیا کے جغرافیہ دانوں کی تحقیق سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ ایرانی اور رومی لشکروں کی معرکہ آرائی کی جگہ سطح ارض کی دنیا کی سب سے نیچی جگہ ہے۔ جس سال رومیوں نے ایرانیوں کو شکست دی تھی، ٹھیک اسی سال سن دو ہجری میں ابوجہل میدان بدر میں قتل ہوا تھا۔ (جاری)